اقبال کا نظریۂ فن

محمد حامد

اقبال کے نظریۂ فن کو سمجھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کے نظریۂ شعر کو سمجھا جائے۔ خوش قسمتی سے انہوں نے اس مسئلہ پر خود اپنے اشعار میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ اس شاعری کو جو روش عام کی پابند ہے اپنے لیے باعث صد عار سمجھتے ہیں اور اس شعر و سخن کو جو افسانہ گوئی یا افسانہ طرازی کا دوسرا نام ہے اپنے لئے تہمت سے کم نہیں جانتے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ میری شاعری کوچہ دلبراں میں آوارہ گردی کا نام نہیں نہ ہی یہ دل زار کی حکایات سنانے کا بہانہ ہے۔ وہ اپنی شاعری کو جبریل امین کا ہم نوا قرار دیتے تھے۔ وہ کہتے ہیں۔

نہ پنداری کہ من بے بادہ مستم
مثال شاعران افسانہ بستم
نہ بینی خیر از ان مرد فرو دست
کہ بر من تہمت شعر و سخن بست
بکوئے دلبراں کارے ندارم
دل زارے غم یارے ندارم
نہ خاک من غبار رہگذارے
نہ در خاکم دل بے اختیارے
بجبریل آمین ہم داستانم
رقیب و قاصد و دربان ندانم
مرا با فقر ساماں کلیم است
فرشاہنشہی زیر گلیم است
دل سنگ از زجاج من بلرزد
یم افکار من ساحل نہ ورزد

نہاں تقدیرہا درہ پردہ من
قیامت ہا بغل پرورده من
دبے در خویشتن خلوت گزیدم
جہانے لازوالے آفریدم
مرا زیں شاعری خود عار ناید
کہ در صد قرن یک عطار نایدا

ترجمہ : یہ نہ سمجھ کہ میں شاعروں کی طرح فسانہ گو ہوں اور حقیقت کا علم نہیں رکھتا ۔ وہ کم مایہ شخص جو مجھ پر شعر و سخن کی تہمت باندھتا ہے خیر نہ دیکھے گا ۔ میرا موضوع سخن کوچہ محبوب نہیں اور نہ ہی میں آہ و زاری کرنے والوں میں سے ہوں ۔ میں غبار راہ ہونے اور دل بے اختیار رکھنے والوں میں سے نہیں ہوں میں تو جبریل آمین کی ہم نوائی کرتا ہوں ۔ میرے یہاں رقیب قاصد اور دربان کا ذکر نہیں ۔ میرے فقر کے ساتھ ساتھ سامان کلیم ہے ۔ میرے بوریا کے نیچے فرش شاہی موجود ہے ۔ میرے شیشے سے پتھر کا دل لرزتا ہے ۔ میرے افکار کے سمندر کا ساحل نہیں ۔ میرے پردہ افکار میں اقوام کی تقدیریں ہیں ۔ کئی قیامتیں میرے پہلو میں پل رہی ہیں ۔ میں نے تنہائی میں غور و فکر کے ذریعے ایک جہانِ لازوال کو جنم دیا ہے ۔ مجھے اس شاعری سے عار نہیں کیوں کہ صدیوں میں عطار پیدا نہیں ہوتا ۔

وہ شعر کو پیغام حیات ابدی سمجھتے تھے ۔ اس بارے میں کہتے ہیں ۔

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخ امم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے
یا نغمہ جبریل ہے یا بانگ سرافیل[۲]

صور سرافیل کی سی لے اس سے پہلے اردو شاعری کے ایوان میں موجود نہیں تھی ۔ اردو شعر و ادب کی لے عجمی تھی ۔ علامہ نے بزم عجم کی بجائے دشت عرب میں خیمہ زنی کی آواز بلند کی اور کہا ۔

دگر بدشت عرب خیمہ زن کہ بزم عجم
مئے گذشتہ و جام شکستنی دارد[۳]

انہیں شکوہ تھا کہ :

دل و دیں در گرو زہرہ و شان عجمی
آتش شوق سلیمی نہ تو داری و نہ من

وہ کہتے ہیں :

ہے شعر عجم گرچہ طربناک و دلآویز
اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیر خودی تیز
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستان
بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغ سحر خیز
وہ ضرب اگر کوہ شکن بھی ہو تو کیا ہے
جس سے متزلزل نہ ہوئی دولت پرویز
اقبال یہ ہے خارا تراشی کا زمانہ
از ہر چہ بآئینۂ نمایند پرہیز[۳]

علامہ قوم میں ایک ولولہ تازہ اور قوت کا احساس پیدا کرنا چاہتے تھے ۔ ایک سو تیس سالہ غلامی کی سیاہ رات کو خندۂ سحری میں بدل دینے کے لئے طرب ناک شعر ہرگز سود مند نہ ہو سکتا تھا ۔ اقبال نے شعر کو ایک نیا مفہوم عطا کیا اور اس کے اسلوب کو یوں بدلا کہ ہلکے سروں کی خواب آور راگنیاں صور سرافیل بن کر مردہ قوم کو خواب گراں سے جگانے کے کام آئیں ۔

اقبال کا نظریہ شعر کے بارے میں کیا تھا اس کے بارے میں علامہ کی ایک تحریر سے بھی رہنمائی ملتی ہے ۔ علامہ کے ایک نیاز مند ، مولوی صالح محمد صاحب ، علامہ کے اشعار کی تشریح کرنا چاہتے تھے ۔ علامہ انہیں لکھتے ہوئے کہتے ہیں ۔

"ان اشعار کی دقت زبان کی وجہ سے نہیں ، میں تو اتنی فارسی ہی نہیں جانتا کہ مشکل زبان لکھ سکوں ۔ دقت جو کچھ بھی ہے ۔ واردات و کیفیات کے فقدان کی وجہ سے ہے ۔ اگر کیفیات کا احساس ہو تو مشکل زبان بھی سہل ہو جاتی ہے ۔ بہر حال آپ کی کوشش ایک مبارک فال ہے ۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جذبات انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں جن میں سے ایک شعر بھی ہے اور شعر کا تخلیقی اثر محض اس کے مطالب و معانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں شعر کی زبان

اور زبان کے الفاظ کی صوت اور طرز ادا کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اس واسطے ترجمے یا تشریح سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو مترجم کے کے زیر نظر ہوتا ہے۔ بہر حال اس تشریح میں آپ کو ان لوگوں کی کیفیات و خیالات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے جن کے قلوب میں آپ پیام کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات پیام کے مطالعہ سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی گر کی بات ہے کہ مجھ سے مشورہ نہ کیجیے۔ جس شعر کا جو اثر آپ کے دل پر ہوتا ہے اس کو صاف و واضح طور پر بیان کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ مصنف کا مفہوم معلوم کرنا بالکل غیر ضروری بلکہ مضر ہے۔ ہاں ایک ضروری شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تشریح آپ کریں اس کی تائید شعر کی زبان سے ہونی چاہیے۔ ایک ہی شعر کا اثر مختلف قلوب پر مختلف ہوتا ہے۔ بلکہ مختلف اوقات میں بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ قلوب انسانی کی اصلی فطرت اور انسانی تعلیم و تربیت اور تجربہ کا اختلاف ہے۔ اگر کسی شعر سے مختلف اثرات مختلف قلوب پر پیدا ہوں تو یہ بات اس شعر کی فرحت اور زندگی کی دلیل ہے۔ زندگی کی اصل حقیقت تنوع اور گونا گونی ہے۵۔"

علامہ کے تصور فن پر اس تقریر سے بھی روشنی پڑتی ہے جو انہوں نے انجمن ادبی کابل افغانستان میں کی تھی اور جس میں انہوں نے انجمن کے ارکان کو فن کی حقیقت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ علامہ نے فرمایا۔

"میرا یہ عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا مصوری یا موسیقی یا معماری جو بھی ہو ہر ایک زندگی کی معاون اور خدمت گار ہے اور اسی بناء پر آرٹ کو چاہیے کہ میں ایجاد کہوں نہ تفریح۔ شاعر ایک قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد یا برباد کر سکتا ہے۔۔۔۔ اس ملک کے شعراء پر لازم ہے کہ وہ نوجوان قوم کے لئے سچے رہنما بنیں۔ زندگی کی عظمت و بزرگی کی بجائے موت کو زیادہ بڑھ کر نہ دکھائیں کیونکہ "آرٹ" جب موت کا نقشہ کھینچتا ہے اور اس کو بڑھا کر دکھاتا ہے اس وقت وہ سخت خوفناک اور برباد کن ہو جاتا ہے اور جو حسن قوت سے خالی ہو وہ محض ایک پیغام موت ہے:

دلبری بے قاہری جادوگری است
دلبری با قاہری پیغمبری است

میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ کو ایک مرکزی نقطہ کی طرف مبذول کراؤں۔ حیات نبویؐ کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے حضور امراؤ القیس کے، جو عرب شاعر ہے، کچھ اشعار پڑھے گئے۔ ارشاد ہوا:

اشعر الشعراء و قائدھم الی النار

(تمام شاعروں میں بہتر شاعر اور ان کو دوزخ کی طرف لے جانے والا)

اس ارشاد و سراسر ارشاد سے واضح طور پر روشن ہوتا ہے کہ شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔ ایک قوم یا زندگی کی موقوف علیہ چیزیں محض شکل و صورت نہیں۔ بلکہ جو چیز حقیقتاً قوم کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ تخیل ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ بلند جذبات ہیں جن کو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ قومیں شعراء کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہیں اور اہل سیاست کی پامردی سے نشو و نما پا کر مر جاتی ہیں۔ پس یہ خواہش ہے کہ نوجوان افغانستان کے شعراء و انشاء پرداز ہم عصروں میں ایسی روح پھونکیں جن سے وہ رفتہ رفتہ آخر میں اپنے کو پہچان سکیں۔ جو قوم ترقی کے راستہ پر چل رہی ہے اس کی انانیت خاص تربیت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے مگر وہ تربیت جس کا خمیر احتیاط کے ساتھ اُٹھایا جائے۔ پس انجمن کا کام یہ کہ نوجوان نسلوں کی فکر کو ادبیات کے ذریعے متشکل کرے اور ان کو ایسی روحانی صحت بخشے کہ وہ بالآخر اپنی انانیت کو پا کر اور قابلیت بہم پہنچا کر پکار اٹھیں:

دو دست تیغم و گردون برہنہ ساخت مرا
فشاں کشید و بروئے زمانہ آخت مرا
من آں جہاں ضیام کہ فطرت ازلی
جہان بلبل و گل را شکست و ساخت مرا
نفس بہ سینہ گدازم کہ طائران تواں
ز گرمئی آواز من شناخت مرا[۶]

اقبال فن کو زندگی کے تابع سمجھتے تھے۔ ''مرقع چغتائی'' کے دیباچے میں انہوں فن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ (یہ اقتباس طویل ہونے کے باوجود اسقدر اہم ہے کہ اسے پورا نقل کرنا

ضروری ہے) ۔

I look upon Art as subservient to life and personally I expressed this view as far back as 1914 in my Asrar-i-Khudi and twelve years later in the poem of the "Zabur-i-Ajam" where I have tried to picture the soul movement of the ideal artist in whom love reveals itself as a unity of Beauty and Power.

دلبری بے قاهری جادوگری است
دلبری با قاهری پیغمبری است

The spiritual health of a people largely depends on the kind of inspiration which their poets and artists receive. But inspiration is not a matter of choice. It is a gift, the charactre of which cannot be critically judged by the recipient before accepting it. It comes to the individual unsolicited, and only to socialise itself. For this reason the personality that receives and the life-quality of that which is received are the matter of the utmost importance for mankind. The inspiration of a single decadent, if his art can lure his fellows to his song or picture, may prove more ruinous to a people than whole battalions of an Attila or a Changez.

To permit the visible to shape the invisible, to seek what is scientifically called adjustment with nature is to recognise her mastery over the spirit of man. Power comes from resisting her stimuli, and not from exposing ourselves to this action. Resistance of what is with a view to create what ought to be is health and life. All else is decay and death. Both God and man live by perpetual creation.

The artist who is a blessing to mankind defy life. He is an associate of God and feels the conduct of Time and Eternity in his soul. In the words of Fichte, he "Sees all Nature full, large and abundant as opposed to him who sees all things thinner, smaller and emptier than they actually are. The modern age seeks inspiration from Nature. But Nature simply 'is' and her function is mainly to obstruct our search for 'Ought' which the artist must discover within the deeps of his own line, and in so far as the cultural history of Islam is concerned, it is my belief that, with the single exception of Architecture, the art of Islam (Music, Painting and even Poetry) is yet to be born—the art,

that is to say, which aims at human assimilation of Divine attributes. تخلقو با خلاق اللہ gives a man infinite inspiration and finally wins for him a status of God's Representative on earth.

مقام آدم خاکی نہاد دریا بند
مسافران حرم را خدا دھد توفیق

یورپ کی تمام زبانوں میں عمارتوں کے نقش و نگار کا نام عربیسک (Arabesque) ہے ۔ قاہرہ کے عجائب خانہ میں آج بھی ایسے ٹوٹے موجود ہیں جن کو دیکھ کر عقل ٹھوکریں کھانے لگتی ہے ۔ محمد بن فضل اللہ کے بنے ہوئے عطر دان پر ایک محفل نشاط کی تصویر جس کے رنگ ایسے چمکیلے اور آبدار نظر آتے ہیں گویا مصور نے اسے ابھی ابھی تیار کیا ہے ۔ زمانہ نے قصر غرناطہ کا نشان تک نہ چھوڑا مگر مورخ ابھی تک اس کے ایوانوں کی مرمری تصویروں اور جالیاتی تخلیقوں کا جو تذکرہ کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی یہ اسلامی حکومت بھی فنون کی سرپرستی میں دوسروں کے ہم پلہ تھی ۔ افسوس اب خلیفہ ہارون الرشید کے دربار کی مصوری کی یادگار محض مورخوں کی بے جان کتابیں ہی رہ گئی ہیں ۔ الف لیلہ اور کلیلہ دمنہ میں تصاویر اور دیگر نقوش رنگس کا ذکر دیکھ کر آنکھوں کے آگے پرانی عظمت کا نقشہ پھرنے لگ جاتا ہے ۔

مصور کا پیغام عالمگیر جبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تہذیب میں ایسا رچا ہوا ہو کہ وہ قدیم روایات کو اپنے مخصوص انفرادی رنگ میں ڈھال سکے ۔ روایات ہر فن کا خاصہ اور اس کے ازلی ابدلی ہونے کی نشانی ہیں ۔ مگر ایک بے شعور متبع کے لئے یہ زنجیریں ہیں اور ایک مطلق العنان ما فوق البشر کے لیے زیور : وہ مصور ہی کیا جو فطرت کی ظاہری نمائش کو اپنے ذہن کی گہرائیوں میں جذب نہ کرے ۔ جو پیش پا افتادہ مسلک پر ہی چلتا رہے اور سمندر کے اس کنارے کھڑا اس دوسرے ساحل کو نہ دیکھ سکے جو کہکشاں کی گرد میں مستور ہے اور جس کی تلاش میں انسان صدیوں سے کوشاں ہیں ۔[۸]

اقبال اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ جو فنکار انحطاط آمیز فن کو عوام تک پہنچاتا ہے وہ ان کے حق میں چنگیز خان کی افواج سے زیادہ ہلاکت آمیز ثابت ہو سکتا ہے ۔ وہ ان فن کاروں کے خلاف تھے جو

بدن کو بیدار کرتے اور روح کو خوابیدہ بناتے ہیں ۔ ان کا کہنا تھا کہ :

موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گرو افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

شاعری اور دیگر اصنافِ سخن صورت گری اور فن کی دیگر اقسام سب کی سب ایک ہی محور کے گرد گھومتی تھیں اور وہ تھی عورت یا دوسرے الفاظ میں جسم کی لذتوں کا تذکرہ اور بس ۔ ہند ہی پر کیا مبنی روم و یونان کی تہذیبوں پر نظر ڈالیے تو بھی یہی پتہ چلے گا کہ ان کے اعصاب پر بھی یہی کچھ سوار تھا ۔ اقبال فن کے لیے کچھ اور مقاصد اور نصبالعین تجویز کرتا ہے اور مقامات بلند سے آگاہ کرتا ہے ۔ سنگ و خشت اور خطوط و رنگ یا الفاظ اظہار کا وسیلہ ہیں لیکن اس اظہار کا پیرایہ کیا ہے اور اس اظہار کے لیے کیا محرکات ہوں اس کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کہتا ہے کہ ان سب کا اصل محرک دل ہے نہ کہ جسم :

آیا کہاں سے نغمہ نے میں سرور مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوب نے
جس روز دل کی رمز مغنی سمجھ گیا
سمجھو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

پھر فن محنت اور ریاضت کا طلب گار ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ فن کار کا جذبہ اور اس کی خدا داد صلاحیت اس کا بنیادی سرمایہ ہوتا ہے لیکن جب تک کوشش نہ کی جائے اس وقت تک ہنر کے بلند تر درجات تک رسائی ممکن نہیں ہو سکتی ۔ اسی موضوع کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے :

ہر چند کہ ایجاد معانی ہے خدا داد
کوشش سے کہاں مرد ہنر مند ہے آزاد
خونِ رگ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانہ حافظ ہو کہ بت خانہ بہزاد

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

علامہ اسی خیال کو ایک اور جگہ مسجد قرطبہ میں یوں بیان کرتے ہیں :

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود۹

قطرہ خون جگر ہی موجود نہ ہو تو پھر صدا سوز و سرور و سرود سب بے معنی ہو جاتے ہیں ۔ اور حرف و صوت کی دنیا ہو یا خشت و سنگ ہوں وہ سب بے روح حیثیت اختیار کر لیتے ہیں ۔ اقبال جہاں ایک طرف دل کی اہمیت واضح کرتے ہیں وہاں خون جگر سے بھی غافل نہیں ۔ پھر وہ چاہتے ہیں کہ یہ فن حیاتِ نو کا باعث بنے نہ کہ پیام مرگ بنے ۔ وہ لکھتے ہیں ۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا!
جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا!
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا!
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!۱۰

اقبال چاہتے تھے کہ نغمہ دل کی کشود کا باعث ہو نہ کہ دل کو افسردگی و یاسیت کی طرف لے جائے ۔ ہندوستان کی موسیقی کی بنیاد میں افسردگی اور کم ہمتی کے اجزاء شامل ہیں ۔ یہ موسیقی حیات نو کا پیغام نہیں دیتی ۔ اقبال اس موسیقی کے خلاف تھے ۔ انہوں نے ایک جگہ کہا تھا کہ ہندو تہذیب اور ہندوؤں کی غلامی میں ان کی موسیقی کا بہت بڑا ہاتھ ہے ۔ یہ موسیقی انفعالیت پرور ہے ۔ اس میں حیات تازہ کے آثار نہیں

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. © 2002-2006

۰۰

اقبال ریویو

جلد ۲۵ نمبر ۳

جنوری فروری مارچ ۱۹۸۵ء

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
LIBRARY
Acc No 17084
LAHORE

مجلس ادارت:
مدیر و معتمد: پروفیسر محمد منور
مدیر معاون: محمد سہیل عمر
معاونین: ڈاکٹر وحید عشرت
علی اکبر عباس

مندرجات

۱۔ اقبال کا نظریۂ فن — محمدؐ حامد — ۱ ـ ۳۰

۲۔ بعض شخصیات و تحریکات سے اقبال کی دلچسپی — معین الدین عقیل — ۳۱ ـ ۴۰

۳۔ مثنوی رومی میں ذکر رسولؐ (دفتر ششم) — خواجہ عبدالحمید یزدانی — ۴۱ ـ ۸۰

۴۔ حکیم ابن رشد کے نظریۂ مکان پر ایک نظر — محمود احمد برکاتی — ۸۱ ـ ۸۷

۵۔ اقبال کی نظم میں اصناف سخن — جگن ناتھ آزاد — ۸۹ ـ ۱۱۶

۶۔ اقبال کا سلسلۂ ملازمت — حسن اختر — ۱۱۷ ـ ۱۳۸

۷۔ اشاعرہ — وحید عشرت — ۱۳۹ ـ ۱۹۲

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مقالات میں درج شدہ بیانات کی ذمہ داری مقالہ نگار حضرات پر ہے۔ مقالہ نگار کی رائے اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کی رائے تصور نہ کی جائے۔

یہ رسالہ اقبال کی زندگی، شاعری اور فکر پر علمی تحقیق کے لیے وقف ہے اور اس میں علوم و فنون کے ان تمام شعبہ جات کا تنقیدی مطالعہ شائع ہوتا ہے جن سے انھیں دلچسپی تھی مثلاً اسلامیات، فلسفہ، تاریخ، عمرانیات، مذہب، ادب، آثاریات وغیرہ۔

مضامین برائے اشاعت

معتمد مجلس ادارت "اقبال ریویو" ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور کے پتے پر ہر مضمون کی دو کاپیاں ارسال فرمائیں۔ اکادمی کسی مضمون کی گمشدگی کی کسی طرح بھی ذمہ دار نہ ہوگی۔

بدل اشتراک

پاکستان

فی شمارہ	۲۰ روپے
زر سالانہ	۶۰ روپے (چار شمارے)

بیرونی ممالک

عام خریدار کے لیے	۱۰ ڈالر سالانہ
طلبا کے لیے	۷ ڈالر سالانہ
اداروں کے لیے	۱۵ ڈالر سالانہ
فی شمارہ	۳ ڈالر

(بشمول ڈاک خرچ)

ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور مطبع: زرین آرٹ پریس، ریلوے روڈ، لاہور

اقبال ریویو

جلد [illegible] نمبر ۴
جنوری فروری مارچ ۱۹۸۵ء

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
LIBRARY.
Acc No 17084
LAHORE

مجلس ادارت :
مدیر اعلیٰ : پروفیسر محمد منور
مدیر معاون : محمد سہیل عمر
معاونین : ڈاکٹر وحید عشرت
علی اکبر عباس

مندرجات

۱۔ اقبال کا نظریہ فن
محمد حامد ۱ — ۳۰

۲۔ بعض شخصیات و تحریکات سے اقبال کی دلچسپی
معین الدین عقیل ۳۱ — ۶۰

۳۔ مثنوی رومی میں ذکر رسالت (ﷺ)
خواجہ عبدالحمید یزدانی ۶۱ — ۸۰

۴۔ حکیم آئن سٹائن کے نظریہ مکان پر ایک نظر
محمود احمد برکاتی ۸۱ — ۸۷

۵۔ اقبال کی نظم میں اصناف سخن
جگن ناتھ آزاد ۸۹ — ۱۱۶

۶۔ اقبال کا سلسلہ ملازمت
حسن اختر ۱۱۷ — ۱۳۸

۷۔ اشاعرہ
وحید عشرت ۱۳۹ — ۱۹۲

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006
اقبال اکادمی پاکستان

ہمارے قلمی معاونین

۱۔ میجر محمد حامد	۱۵۲-بی، اللہ آباد کالونی، ویسٹرج، راولپنڈی
۲۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل	شعبۂ اردو، پاکستان شپ اونرز کالج، کراچی
۳۔ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی	شعبۂ فارسی، گورنمنٹ کالج، لاہور
۴۔ حکیم محمود احمد برکاتی	۲۹۸/اے، لیاقت آباد ۴، کراچی ۱۹
۵۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد	صدر شعبۂ اردو و ڈین فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ، جموں یونیورسٹی (بھارت)
۶۔ ڈاکٹر حسن اختر	شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، لاہور
۷۔ ڈاکٹر وحید عشرت	ریسرچ اسکالر، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اور یہ ہمت اور جذبہ عالی سے بالکل تہی دامن ہے۔ اقبال اس موسیقی کے قائل تھے جو تلواروں کی محفل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ اور جو زندگی کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کرے نہ کہ انہیں سلا دے۔ اس نوع کی موسیقی کے بارے میں اقبال کہتے ہیں :

ناتواں و زار می سازد ترا
از جہاں بیزار می سازد ترا
سوز دل از دل برد غم می دہد
زہر اندر ساغر جم می دہد

(تجھے ناتواں و زار بنا دیتی ہے اور تجھے جہاں سے بیزار کر دیتی ہے۔ یہ دل کو سوز کی بجائے غم عطا کرتی ہے اور ساغر جم میں زہر بھر دیتی ہے)

اقبال جس موسیقی کے طلبگار تھے اس کے خد و خال کیا ہیں۔ اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

نغمہ باید تند رو مانند نیل
تا برد از دل غماں را خیل خیل
نغمہ می باید جنوں پرورده
آتش دل خون دل محل کرده
نغمہ گر معنی ندارد مردہ ایست
سوز او از آتش افسردہ ایست

ترجمہ : نغمہ دریائے نیل کی مانند تند رو ہونا چاہئے تاکہ وہ دل سے غموں کو ایک ایک کرکے نکال دے۔ نغمہ جنوں پرور ہونا چاہئے اور خون دل میں گرمی دل کی آمیزش کرنے والا ہو۔ وہ نغمہ گر جس کی موسیقی نے معنی ہو، مردے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا سوز بجھی ہوئی آگ سے ہے)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

کھل تو جاتا ہے مغنی کے بم وزیر سے دل
نہ رہا زلزلہ و پاینده تو کیا دل کی کشود
ہے ابھی سینہ افلاک میں پنہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود

جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ابازی سے مقام محمود
جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہان خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود!!

یورپ میں رقص کو بھی فن کی حیثیت حاصل ہے ۔ اوپیرا (Opera) اور رقص کی دوسری بے شمار قسمیں یورپ کی تہذیب کے خمیر میں داخل ہیں ۔ وہاں رقص سے نابلد ہونا تہذیب سے نابلد ہونے کے مترادف ہے ۔ اقبال کا نظریہ اس سے کس حد تک مختلف ہے ، اس کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جا سکتا ہے جن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اقبال بدن کے رقص کی بجائے روح اور وجدان کے رقص میں لانے کو اصل حقیقت شمار کرتے تھے ۔ وہ لکھتے ہیں :

چھوڑ یورپ کے لیے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم الٰہی
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی

اسی طرح انہیں تمثیل (Drama) کے بارے میں بھی اعتراض تھا ۔ اس لیے کہ اس میں انسان کی انا ، جو زندگی کا اصل محور ہے ، مجروح ہو جاتی ہے ۔ کچھ افراد کی تفریح طبع کے لیے کسی فرد کی خودی کو مٹیا میٹ کر دینا اپنی حقیقت کے اعتبار سے روم کے اُن اکھاڑوں کے مناظر سے مختلف نہیں جن میں روم کے مہذب شہری اپنی تفریح اور لطف و سرور کے لیے زندہ انسانوں کو درندوں کے آگے ڈال کر ان کے چیخنے چلانے کا منظر دیکھ کر لطف اندوز ہوتے تھے یا غلاموں کو آگ میں جلتا دیکھ کر لطف اندوز ہوتے تھے ۔ کچھ افراد کی تفریح کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو اس درجہ عزیز نہ ہونی چاہئے کہ ان کے لیے کچھ افراد کی خودی کو مجروح کر دیا جائے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے ۔ وہ کہتے ہیں :

حریم تیرا خودی غیر کی معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منات
یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے
رہا نہ تو تو نہ سوز خودی نہ ساز حیات

تمثیل کی ایک اور صورت سینما جو مغرب کے نقادوں کی نظر میں اب فن کا درجہ اختیار کر چکا ہے ۔ اقبال کی نظروں میں صنعت آذر کی حیثیت رکھتا تھا ۔ آپ نے اسے تہذیب حاضر کی سوداگری قرار دیا اور کہا :

وہی بُت فروشی وہی بُت گری ہے
سینما ہے یا صنعت آذری ہے
وہ صنعت نہ تھی شیوہ کافری تھا
یہ صنعت نہیں شیوہ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا
یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے
وہ دنیا کی مٹی یہ دوزخ کی مٹی
وہ بتخانہ خاکی یہ خاکستری ہے[۱۲]

سینما کا صنعت سے آرٹ کے درجے پر آ جانا اور اس کے امریکہ میں ارتقاء کے بارے میں ہنری فورڈ نے اپنی کتاب (International Jew) میں تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔ لکھتا ہے کہ یہ صنعت تمام تر یہود کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کی مدد سے امریکہ کے شہریوں کا اخلاق برباد کر رہے ہیں ۔ اس کی تفصیلات اس کتاب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں ۔ [Henry Ford, International Jew, Ummah Publications Bahadarabad Karachi, 1973]·

علامہ فن کو تعمیر خودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ حفظ خودی کے منافی ہو تو اس سے بڑھ کر مضر شے کوئی نہیں ۔ کہتے ہیں :

گر ہنر میں نہیں تعمیر خودی کا جوہر
وائے صورت گری و شاعری و نائے و سرود!
ہوئی ہے زیر فلک امتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ![۱۳]

علامہ فن کے بارے میں Dynamic یعنی حرکی تصور رکھتے تھے ۔ انہیں وہ Static (سکونی) تصور جو ہندوستان کے مزاج کا خاصہ ہے پسند نہ تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کو بیدل سے بہت دلچسپی تھی ۔ علامہ نے پروفیسر حمید احمد خان سے ملاقات کے دوران کہا ۔ بیدل کے کلام

میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے یہاں تک کہ اس کا معشوق بھی صاحب خرام ہے :

هر کہ دو قدم خرام می کاشت
از انگشتم عصا بہ کف داشت

گویا سکون کو بھی بشکل حرکت دیکھا ہے مثالیں اس وقت یاد نہیں ہیں ۔ لیکن اگر آپ بیدل کا کلام پڑھیں تو بہت سے اشعار ہاتھ آ جائیں گے ۔ میں جن دنوں انارکلی میں رہتا تھا میں نے بیدل کے کلام کا انتخاب کیا تھا ۔ وہ اب میرے کاغذوں میں کہیں ادھر ادھر مل گیا ہے ۔ نقشبندی سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی ہے ۔ نقشبندی مسلک حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے ۔ مگر چشتی مسلک میں قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے ۔ اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقہ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے مگر ہندوستان سے باہر افغانستان ، بخارا ، ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے ۔ دراصل زندگی کے جس جس شعبے میں تقلید کا عنصر نمایاں ہے اس میں حرکت مفقود ہوتی جاتی ہے ۔ تصوف تقلید پر مبنی ہے ۔ سیاسیات ، فلسفہ ، شاعری ۔ یہ بھی تقلید پر مبنی ہیں ۔ لیکن نقشبندی سلسلے کے شعراء مثلاً ناصر علی سرہندی کو دیکھئیے ۔ ناصر علی کی شاعری تقلیدی نہیں ہے اسی لیے حرکت والی قوموں میں وہ زیادہ ہر دلعزیز ہے ۔ ہندوستان میں ناصر علی کی کچھ زیادہ قدر نہیں ہے ۔ لیکن افغانستان اور بخارا کے اطراف میں لوگ اس کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں ۔ بیدل کو بھی افغانستان کے لوگ بہت مانتے ہیں ۔ ۔ ۔ اس کے بعد جب نیشنل اینتھم (قومی ترانے) کا ذکر آیا تو سعید اللہ صاحب نے کہا "بندے ماترم" پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ ایک تو یہ بنگالی میں ہے دوسرے اس کے آہنگ میں گرمی نہیں ہے ۔ علامہ نے ذرا گرمی سے کہا آپ ہندوؤں کی شاعری میں گرمی ڈھونڈتے ہیں ہندوشاعری کے تمام دفتر دیکھ ڈالیے کہیں گرمی نظر نہیں آئے گی ۔ ہندوؤں کو ہر جگہ شانتی کی تلاش ہے ۔ ہندوؤں کی ادبی پیداوار میں میرے نزدیک اس کی صرف ایک استثناء ہے راماین اور وہ بھی محض بعض حصوں میں ۔

عبد الواحد : مگر ہندوستان کی موسیقی تو خاصی ہیجان انگیز ہے ۔ قوالی میں یہی موسیقی کافی گرمی پیدا کر لیتی ہے ۔

ڈاکٹر صاحب : میں اسے مصنوعی گرمی کہتا ہوں جس طرح منشیات سے کوئی شخص ہیجان پیدا کرے ۔

عبد الوحید : کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ وجد و حال کی کیفیت مصنوعی ہے ؟ مثلاً ہمارے ہاں سیالکوٹ میں لوشاہیوں کا میلہ ہوتا ہے وہاں قوالی سے بعض لوگ یک دم حال میں آ جاتے ہیں ۔ کیا وہ آپ کے نزدیک محض دکھاوا ہے؟

ڈاکٹر صاحب : ان لوگوں نے وجد و حال کو ایک دستور بنا لیا ہے ۔ یہ کیفیت ان پر واقعی طاری ہوتی ہے ۔ لیکن جب وہ اپنے خوش جذبات کو اس طرح فرو کر لیتے ہیں تو پھر ان میں باقی کچھ نہیں رہتا اور وہ جذبہ دوبارہ طاری نہیں ہوتا ۔ در اصل مسلمان جب عرب سے نکلے اور انہیں باہر کی قوموں سے سابقہ پڑا تو صوفیہ نے ان قوموں کی طبعی نسائیت کا لحاظ رکھتے ہوئے قوالی اور موسیقی کو اپنے نظام میں شامل کر لیا ۔

نسائیت سے مراد فالتو جذبات ہیں ۔ ایران اور ہندوستان میں فالتو جذبات کی کثرت ہے اور حال ان ہی فالتو جذبات کے اخراج کا ایک ذریعہ ہے ۔ صوفیوں کے سلسلوں میں قوالی کو جو دخل ہے وہ صرف اسی وجہ سے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی موسیقی کا کوئی وجود ہے ہی نہیں ۔ اس وقت تمام اسلامی ممالک میں اپنا اپنا فن موسیقی رائج ہے ۔ مسلمان جہاں پہنچے وہیں کی موسیقی انہوں نے قبول کر لی ۔ اور کوئی اسلامی موسیقی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ یہ واقعہ ہے کہ فن تعمیر کے سوا فنون لطیفہ میں سے کسی میں بھی اسلامی روح نہیں آئی ۔

اسلامی تعمیرات میں جو کیفیت نظر آتی ہے وہ مجھے اور کہیں نظر نہیں آتی ۔ پچھلی مرتبہ یورپ سے واپسی پر مصر جانے کا اتفاق پیش آیا اور وہاں قدیم فرعونوں کے مقابر دیکھنے کا موقع ملا ۔ ان قبروں کے ساتھ مدفون

بادشاہوں کے بت بھی تھے جن میں قوت اور ہیبت کی ایک ایسی شان تھی جس سے میں بہت متاثر ہوا۔ قوت کا یہی احساس حضرت عمرؓ کی مسجد اور دلی کی مسجد قوت الاسلام بھی پیدا کرتی ہے۔ بہت عرصہ ہوا وہ مجھے اب تک یاد ہے۔ شام کی سیاہی پھیل رہی تھی اور مغرب کا وقت قریب تھا۔ میرا جی چاہا کہ مسجد میں داخل ہو کر نماز ادا کروں لیکن مسجد کی قوت و جلال نے مجھے اس درجہ مرعوب کر دیا کہ مجھے اپنا یہ فعل ایک جسارت سے کم معلوم نہ ہوتا تھا۔ مسجد کا وقار مجھ پر اس طرح چھا گیا کہ میرے دل میں صرف یہ احساس تھا کہ میں اس مسجد میں نماز پڑھنے کے قابل نہیں ہوں۔[۱۴]

اس کے بعد پھر تھوڑی دیر تک ہندوستان کی اسلامی عمارات کا ذکر ہوتا رہا۔ تاج محل کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

"مسجد قوت الاسلام کی کیفیت اسی ہی میں نظر آتی۔ بعد کی عمارتوں کی طرح اس میں بھی قوت کے عنصر کی ضعف آگیا اور در اصل یہی قوت کا عنصر ہے جو حسن کے لیے توازن قائم کرتا ہے۔

سعید اللہ : دلی کی جامع مسجد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

ڈاکٹر صاحب : وہ تو ایک بیگم ہے۔

ہم اس فقرے پر ہنسے اور ڈاکٹر صاحب بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس منزل پر اسلامی تعمیرات کے متعلق یہ دلکشا بحث ختم ہوئی۔[۱۵]

سید عابد علی عابد جنہوں نے اقبال اور فنون لطیفہ پر ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے۔ علامہ کی زندگی میں ان کے پاس اس مقصد سے حاضر ہوئے کہ آپ سے آرٹ کے بارے میں پوچھیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

علامہ نے فرمایا۔ میرے کلام کو آرٹ (شاید اس کا مغربی تصور مراد تھا) سے کیا تعلق ہے۔ میری شاعری اسلامی تفکر اور فکر کی

تفسیر و تعبیر ہے میں نے عرض کیا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس بات کو واضح کروں کہ آپ کے خیال میں فنونِ لطیفہ کا نصب العین کیا ہے۔ فرمایا ہاں اس اعتبار سے مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

۶ میں نے پوچھا کہ آرٹ کے زوال پذیر ہونے کے جو محرکات ہوتے ہیں ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ علامہ نے لیٹے لیٹے جواب دیا کہ آرٹ کی زوال پذیری در اصل اقوام کی مجموعی زوال پذیری کے تابع ہوتی ہے۔ جب تک خدا کو کسی قوم سے کچھ کام لینا مقصود ہوتا ہے اور اسے سرداری کے منصب پر فائز رکھنا منظور ہوتا ہے اس وقت تک آرٹ زندہ اور جاندار رہتا ہے بلکہ سب سے پہلے کسی قوم کی زوال پذیری کی علامت آرٹ کی زوال پذیری کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم زوال پر آمادہ ہوتی ہے تو ٹھوس چیزوں سے، مغز سے، معنی سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔ چھلکے سے، شکل سے، دلبستگی بڑھ جاتی ہے۔ یہی آرٹ کی زوال پذیری ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اردو شاعری میں شاید ناسخ اور اس کے سکول کا کلام آپ کے ارشاد کی بہترین تفسیر ہے۔ فرمایا! میں نے ناسخ اور اس کے سکول کا کلام بہت کم پڑھا ہے۔ میرا اردو ادبیات کا مطالعہ بہت محدود ہے البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اردو کی تاریخ میں دکنی ادبیات کا حصہ نسبتاً بہت جاندار نظر آتا ہے۔ نیازی صاحب نے فرمایا کہ شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دکنی ادبیات کو مذہب سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ فرمایا! ہاں یا یوں کہو کہ زندگی سے دکنی ادبیات کا تعلق اصلی اور اساسی ہے۔ میں نے کہا ''کچھ دن ہوئے ہیں رسالہ اردو میں ایک مقالہ نگار نے میر حسن اور پرانے دکنی ادیب کی مثنویوں کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ دکنی شاعر کا کلام زیادہ جاندار اور پرجوش ہے۔ علامہ نے فرمایا ''مقالہ نگار کا خیال ٹھیک ہوگا۔ حسن کے وقت تک اردو شاعروں میں کافی ژولیدہ بیانی پیدا ہو چکی تھی یا تو کچھ کہنا ہی نہ چاہتے تھے یا کہنا چاہتے تھے تو کہہ نہیں سکتے تھے بلکہ جو بزرگوار کچھ کہنا چاہتے تھے ان کے کلام میں بھی ایک خاص قسم کی ژولیدہ گفتاری ہے جو ذہنی ژولیدگی اور پریشان فکری کی خبر دیتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس قسم کی ژولیدہ گفتاری کا معیاری نمونہ غالب کا ابتدائی کلام سمجھا جائے گا۔ علامہ کچھ دیر

چپ رہے پھر فرمایا کسی حد تک ۔ لیکن غالب سے کہیں زیادہ مومن ژولیدہ گفتار ہے ۔ میں خود اگرچہ مومن کے مداحوں میں سے نہیں ہوں اور اس کے اسلوب فکر اور انداز تغزل کو ایک کارنامہ نہیں سمجھتا ۔ لیکن کچھ نقادوں نے غالب کے مقابلے میں مومن کو اچھالا تھا ۔ اس سلسلے کے تمام واقعات مجھے یاد آ گئے اور معاً خیال آیا کہ زوال پزیر قوموں کے نقاد بھی کس قدر ژولیدہ فکر ہو جاتے ہیں کہ پریشان گفتاری کو ندرت اسلوب اور ژولیدہ بیانی کو جدت ادا کا لقب دے کر معایب کو محاسن بنا کر پیش کرتے ہیں ۔ اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں ۔ بلھے شاہ کی کافیوں کا ذکر آیا ۔ کچھ وقت تک پنجابی شاعری اور تصوف کا ذکر چلتا رہا لیکن میرے دل کو چٹکی سی لگ گئی تھی کہ موقع ملے تو علامہ سے کچھ اور پوچھوں ۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسلام کی زوال پذیری کے سلسلے میں ایرانی تحریکات مذہبی کا ذکر چھڑ گیا ۔ میں نے عرض کیا کہ شاید اسلام کی زوال پذیری میں ان تحریکات نے کافی حصہ لیا ہے جنہیں عجوسی کہا جاتا ہے اور جن کو در اصل شیعیت سے کوئی تعلق نہیں ۔ فرمایا ہاں اگر اسلامی علوم و فنون کا اور اسلامی روایات کا چشمہ بہت کم گدلا ہوا ہے تو وہ ترکان عثمانی کے یہاں ہے ۔ ورنہ اسلام کا چشمہ جس زمین سے گذرا اس کو گدلا کر دیا گیا ہے یا اس کا رخ پھیر دیا گیا ہے ۔ ایک صاحب نے کسی نئی تصنیف کا ذکر چھیڑا جس میں آرٹ کے فلسفے سے بحث کی گئی تھی ۔ علامہ نے فرمایا ۔ ایک جرمن مصنف کہتا ہے کہ فلسفے کے نظام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ٹھوس وزنی ۔ ان میں مغز زیادہ ہوتا ہے ۔ دوسرے ذرا ہلکے ۔ جب قومیں زوال پذیر ہوتی ہیں تو ہر ٹھوس چیز سے بیگانہ ہو جاتی ہیں ۔ میں نے پوچھا ''آرٹ بھی ٹھوس اور ہلکا ہو سکتا ہے ۔ فرمایا ! ہو سکتا ہے زوال پزیر اقوام میں آرٹ کا رس نچوڑ کر نہیں پیا جاتا بلکہ پھل کی شکل بنا دی جاتی ہے ۔ اور اس کے رنگ کو دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں ۔

میں نے عرض کیا کہ آرٹ کی عظمت کا انحصار کس چیز پر ہے ۔ شکل پر یا مغز پر ۔ علامہ نے ارشاد فرمایا کہ یوں تو شکل بھی مغز ہی کا ایک پہلو ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آرٹ کی عظمت کا معیار مغز کی صحت مندی اور توانائی پر ہوتا ہے ۔

علامہ نے ایک اور ملاقاتی خواجہ عبدالوحید سے اثنائے گفتگو فرمایا

''اگرچہ آرٹ کے متعلق دو نظریے موجود ہیں اول یہ کہ آرٹ کی غرض محض حُسن کا احساس پیدا کرنا ہے اور دوم یہ کہ آرٹ سے انسانی زندگی کو فائدہ پہنچنا چاہئیے ۔ ان کا ذاتی خیال یہ ہے کہ آرٹ زندگی کے ماتحت ہے ۔ ہر چیز کو انسان کی زندگی کے لیے وقف ہونا چاہیے اور اس لیے ہر وہ آرٹ جو زندگی کے لیے مفید ہو اچھا اور جائز ہے ۔ اور جو زندگی کے خلاف ہو جو انسانوں کی ہمتوں کو پست اور ان کے جذبات عالیہ کو مردہ کرنے والا ہے قابل نفرت و پرہیز ہے ۔ اور اس کی ترویج حکومت کی طرف سے ممنوع قرار دی جانی چاہیے ۔

آرٹ کے مضر اثرات کے متعلق آپ نے فرمایا کہ بعض قسم کا آرٹ قوموں کو ہمیشہ کے لیے مردہ بنا دیتا ہے ۔ چنانچہ ہندو قوم کی تباہی میں اس کے فن موسیقی کا بہت حصہ رہا ہے ۔۱۶

علامہ موسیقی کو اقوام کی تباہی کا عنصر سمجھتے تھے ۔ ان کی تاریخ پر گہری نظر تھی اور وہ جانتے تھے کہ جب بھی اقوام چنگ و رباب کو اپنی زندگی میں اہمیت دینے لگتی ہیں ۔ ان کی قومی استحکام اور پامردی کی جڑیں کھوکھلی ہونے لگتی ہیں ۔ سرود حلال کے عنوان سے انہوں نے لکھا ۔

جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہان خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود

اسی طرح کہتے ہیں ۔

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں تار و چنگ و رباب
نوا کو کرتا ہے موج نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں۱۷

وہ اپنے قارئین سے بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ ان سے نوائے چنگ کا مطالبہ نہ کریں کیونکہ وہ عرصہ پیکار میں ہیں ۔ ضربِ کلیم کے ابتداء میں کہتے ہیں ۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام
میدان جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خون دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ

خود اپنے اشعار کے متعلق فرماتے ہیں :

مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگ صور سرافیل دل نواز نہیں[۱۸]

وہ مسلم ثقافت کو یوں بیان کرتے ہیں :

عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال
عجم کا حسنِ طبیعت ، عرب کا سوز دروں![۱۹]

تاہم یہ سب آتشہ ان لوگوں کے بس کا نہیں جو شعر و بیان کی صلاحیتوں کو قوم کے سلانے کے لیے استعمال کرتے ہوں اور انہیں غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی بجائے انہیں مزید پختہ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں ۔ وہ غلامی کی نفسیات سے اچھی طرح آگاہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نفسیات غلامی کے تحت لکھتے ہیں :

شاعر بھی ہیں پیدا علماء حکماء بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ!
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرح معانی میں یگانہ!
"بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر نہ شیری کا فسانہ"!
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضا مند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ![۲۰]

اٹلی کے قیام کے دوران انسائیکلوپیڈیا اطالیانہ کی ترتیب کے انچارج پروفیسر جنٹیلی کی زیر صدارت ایک علمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اقبال بھی شریک تھے ۔ ایک صاحب نے اس کانفرنس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ موسیقی اور شعر وغیرہ کو نصاب سے خارج کر دینا چاہیے ۔ سلسلہ گفتگو کے دوران یہ موضوع بھی زیر بحث آ گیا ۔ حضرت علامہ

نے فرمایا قوم کی تعمیر و تربیت کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ تجویز نہایت مفید معلوم ہوتی ہے ۔ جنٹیلی نے کہا کہ یہ چیزیں لوگوں کو ۔ ۔ ۔ ۔ کھینچ لانے کا اچھا ذریعہ ہیں اور اس کے بعد اچھی اور مفید باتیں ان کے ذہن نشین کی جا سکتی ہیں ۔ حضرت علامہ نے فرمایا اس اعتبار سے بھی یہ طریقہ غلط ہے ۔ ہمارے ہاں اس کا تجربہ ہو چکا ہے ۔ لوگ خوش گلو شاعروں کے اشتہار دے کر لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب اگر ۔ ۔ ۔ ۔ عملیات کے لیے دعوت دی جائے تو کوئی بھی نہیں آتا ۔

اس سلسلہ میں حضرت علامہ نے اسلام کی مثال دی جس میں ان چیزوں کو دبایا گیا تھا ۔ پھر فرمایا شعر شعر ہیں اور موسیقی موسیقی میں فرق ہے ۔ اگر کوئی ایسا شاعر پیدا ہو جائے جو دنیا کو حقیقی زندگی ، عمل اور حرکت کا موثر پیغام دے سکے یا کوئی ایسا موسیقی دان پیدا ہو جائے جو حیات اقوام کے اصول کو ملحوظ رکھ کر نئی راگنیاں پیدا کر سکے تو خیر لیکن جو کچھ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس سے قوت عمل میں ضعف و انحطاط پیدا ہونے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا ۔

چونکہ اسی روز صبح کے وقت حضرت علامہ نے روما کے آثار قدیمہ کو دیکھا تھا اس لیے ان کے متعلق بھی گفتگو شروع ہو گئی ۔ حضرت علامہ نے فرمایا ۔ ''مسلمانوں کے طرز تعمیر کو دیکھیے اس کے اندر اسلامی روح کا ظہور سب سے زیادہ بہتر صورت میں ہوا ۔ اس لیے عمارتیں زیادہ دیر تک قائم رہتی ہیں اور قوم کی روح عمل اور انداز و اسلوب فکر کی زیادہ مدت تک آئینہ داری کرتی رہی ۔[۲۱]

علامہ کی ادب و فن کے بارے میں رائے کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی آپ سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۶ء کی ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

ادبی تنقید کا ذکر نکلا تو فرمایا جہاں تک صحیح تنقید کا سوال ہے ۔ ہندوستان ابھی مغرب سے سو سال پیچھے ہے ۔ ہندوؤں میں تو کچھ حقیقت پسندی شروع ہو چلی ہے ۔ لیکن مسلمانوں میں ابھی تک روحالیت کا اثر باقی ہے ۔ گذشتہ پانچ سو سال میں مسلمانوں کے آرٹ ، لٹریچر اور شاعری کا رجحان یہ رہا ہے کہ حقائق سے گریز کیا جائے اور خیالی دنیا میں زندگی بسر کی جائے ۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ مسجد قرطبہ

گو دیکھ کر آپ پر کیا اثر ہوا ۔ میں نے کہا ۔

This is the commentary of Quran written in stones.

(یہ قرآن کی وہ تفسیر ہے جو پتھروں کے ذریعے لکھی گئی ہے ۔)

سفر یورپ کے دوران لندن جاتے ہوئے علامہ کو مارسیلز میں کچھ دیر رکنے کا اتفاق ہوا وہاں چند گھنٹے قیام کے دوران علامہ نے سیر کی ۔ لکھتے ہیں ۔

''مارسیلز کا نوٹر ڈام گرجا نہایت اونچی جگہ پر تعمیر ہوا ہے اور اس کی عمارت کو دیکھ کر دل پر یہ بات منقوش ہو جاتی ہے کہ دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں تمام علوم و فنون کی محرک ہوئی ہے ۔۲۲

علامہ نے اٹلی کے سفر کے دوران روما کے آثا قدیمہ کی عظمت ، جبروت و جلال اور وسعت کو بہت سراہا ۔ انہوں نے اس دوران کٹیا کوسب جب بھی دیکھے ان سے بہت متاثر ہوئے ۔ کٹیا کوسب کے محافظوں نے بتایا کہ یہ زمین دوز اور پرپیچ راستے مسلسل آٹھ میل چلے گئے ہیں ۔ حضرت علامہ نے کہا ''مذہب بھی کیا چیز ہے کوئی دوسری قوت عقیدے اور ایمان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ یہ جو کچھ ہوا مذہبی عقائد کے جوش میں ہوا ۔ عقیدہ غلط بھی ہو لیکن جب مذہب کے رنگ میں دل پر قبضہ پا لیتا ہے تو انسان کے عمل میں عجیب و غریب حرارت پیدا کر دیتا ہے ۔۲۳

علامہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے ذوق کا صحیح اظہار فن تعمیر میں ہوا ہے ۔ نظم مسجد قرطبہ میں بھی یہی خیال جھلکتا ہے جس میں انہوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ فن کی تشکیل خونِ جگر کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ علامہ کہتے ہیں :

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!
قطرہ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود!۲۴

ہسپانیہ کے سفر سے علامہ کو حجازی مسلمانوں کے فن تعمیر کے بارے میں جاننے کا موقع ملا ۔ وہ اس سے پہلے ہندوستان کے مسلم فن تعمیر کا گہرا علم رکھتے تھے ۔ اسلامی تعمیر کی قوت و ہیبت کا ذکر

کرتے ہوئے فرمایا ۔

''مسلمانوں کی عمارات دو قسم کی ہیں جلالی اور جمالی اور یہ دونوں قسم کی عمارات اپنے بنانے والوں کے کردار کا آئینہ ہیں ۔ جہانگیر ، شاہ جہان اور عالمگیر میں محبت کا عنصر زیادہ تھا ۔ اس لیے تاج محل ، شاہدرہ ، شالا مار باغ اور شاہی مسجد حسن و جمال کا مظہر بن گئیں ۔ شیر شاہ سوری پیکر جلال تھا ۔ اس لیے اس کے تعمیر کردہ قلعوں میں ہیبت برستی ہے ۔ اس کی بعض عمارتوں میں اسلامی فن تعمیر کی اس خاص کیفیت کی جھلک نظر آتی ہے ۔ لیکن جوں جوں زندگی کے قویٰ شل ہوتے گئے ۔ تعمیرات کے اسلامی انداز میں ضعف آتا گیا ۔ وہاں کی تین عمارتوں میں مجھے ایک خاص فرق نظر آیا ۔ قصر زہرا دیوؤں کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے ۔ مسجد قرطبہ مہذب دیوؤں کا مگر الحمراء محض مہذب انسانوں کا ۔۲۵

علامہ آئی ۔ آئی قاضی مولانا روم کا ایک قول یوں نقل کرتے ہیں ۔ (چونکہ علامہ کی فکر پر ان کے اثرات غالب تھے اس لیے یہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا) مولانا روم فرماتے ہیں ۔ ''یاران کہ نزد من آئیند از بیم آن کہ ملول شوند شعر می گویم تابدان مشغول شوند ۔ ورنہ من می کجا و شعر از کجا ۔ واللہ کہ من از شعر بیزارم ۔ پیش من بد تر ازاں چیزی نیست ۔'' (جب میرے دوست میرے پاس آتے ہیں تو اس ڈر سے کہ وہ ملول نہ ہوں شعر سنا دیتا ہوں کہ اس میں مشغول رہیں ۔ ورنہ میں کہاں اور شعر کہاں ۔ اللہ کی قسم کہ میں شعر سے بیزار ہوں ۔ میرے نزدیک اس سے بری کوئی چیز نہیں ہے) ۔ علامہ کے نزدیک بھی شعر کی حیثیت اس سے بڑھ کر نہ تھی کہ وہ :

نغمہ کجا و من کجا ، ساز و سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

آپ انہی خیال کا اظہار ایک جگہ خط میں یوں کرتے ہیں ۔

Poetry is something more than the mere correctness of idiom and expression. My ideals are different to the critics literary ideals. Poetry plays only a subordinate role in my utterances, and it is not my ambition to be classed among the poets of the day.

(شاعری محض مقامات اور اظہار بیاں کی صحت سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے۔ میرے معیار تنقید نگاروں کے ادبی معیاروں سے مختلف ہیں۔ میرے کلام میں شاعری محض ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے قطعاً یہ خواہش نہیں کہ دور حاضر کے شعرا میں میرا بھی شمار ہو۔[۲۶]

آپ بخوبی سمجھتے تھے کہ شعر وہ قوت فراہم نہیں کر سکتا جو صرف اور صرف ایمان میں میسر ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے شعر گوئی کی طرف لوگوں کو توجہ نہیں دلائی۔ جہاں تک نوجوانوں کا تعلق ہے وہ انہیں ہمیشہ اس سے باز رہنے اور اپنی قوتوں کو بہتر مصرف میں لانے کے لیے کہتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ شعر کا دائرہ بالخصوص برصغیر میں کاکل و رخسار کے تذکروں اور رندی و ہو سناکی ہی میں محدود تھا۔ ہماری مشرقی شاعری کے پیش پاافتادہ مضامین میں وہ عنصر سرے سے ناپید تھا جسے علامہ قوم کی خودی اور بنیادی ضرورت سمجھتے تھے۔آپ کے نزدیک شعر ملتِ اسلامیہ کے استحکام کا ذریعہ ہونا چاہیے نہ کہ اس کے ضعف اور اضمحلال کا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے شاعری کی روش کو اس مقصد کے بالکل خلاف پایا تو آپ نے اس کی بجائے اسلام کی بنیادی حقیقتوں کی طرف توجہ دلائی۔ علامہ نے اسی اہم بات کو اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب کے نام ایک خط میں یوں تحریر فرمایا ہے :

"جرمنی کے پیغمبری شاعر گوئٹے نے اپنے معاصر نوجوانوں کے روحانی اضطراب اور بے چینی کا مشاہدہ کرکے ان کو یہ پیغام دیا تھا۔

Seek refuge in art.

اس وقت اسلامی دنیا کی وہی حالت ہے جو نپولین کے وقت میں جرمنی کی تھی۔ اور میرا پیغام بھی مسلمان نوجوانوں کے نام وہی ہے جو گوئٹے نے دیا۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ میں نے Art کے لفظ کی جگہ لفظ (Religion) رکھ دیا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔

آرٹ میں اطمینان ضرور ہے مگر قوت نہیں۔ مذہب میں اطمینان اور قوت دونوں چیزیں ہیں۔[۲۷]

بدقسمتی سے علامہ کے اس نظریہ کو اس دور کے کوتاہ اندیش نہ سمجھ سکے اور علامہ کی شاعری پر اس درجہ زور و شور سے بحث

کی گئی ہے کہ ان کی زندگی کے دیگر انتہائی اہم پہلو نظر انداز ہو گئے ہیں ۔ علامہ کا علم و فضل اور وہ خاص بصیرت جس کا تجربہ ان کی ایک ایک سطر اور ایک ایک مصرعے سے ہوتا ہے ، علامہ کا گہرا تاریخی شعور اور ملتِ اسلامیہ کے عروج و زوال کے اسباب و علل پر گہری نظر ، یہ سب کچھ تغافل کی نذر ہو گیا ہے ۔ ضرورت ہے کہ علامہ کے ان پہلوؤں پر غور کیا جائے ۔ آپ غنی کشمیری کی طرح بجا طور پر کہہ سکتے ہیں ۔

ز شعر من شده پوشیده فضل و دانش من
چو میوهٔ که بماند بزیر برگ نهان

(میرے اشعار کی وجہ سے میرا فضل و دانش اسی طرح پوشیدہ ہو گیا ہے جیسے کہ پتوں کے نیچے پھل چھپ جاتے ہیں)

علامہ شعر کے بارے میں جو تصورات رکھتے تھے ان کا بڑا خوبصورت اظہار آپ نے ان اشعار میں کیا ہے ۔

شاعر اندر سینہ ملت چو دل — ملتے بے شاعرے انبار گل
سوز و مستی نقشبند عالمے است — شاعری بے سوز و مستی ماتمے است
شعر را مقصود اگر آدم گری است — شاعری ہم وارث پیغمبری است

اقبال کے نزدیک ہوش مندی کے کسی بھی دور میں شاعری محض دماغی تفریح یا خالی انجمن آرائی کا ذریعہ نہ تھی وہ بے مقصد شاعری کو ضیاع قوت و طاقت سمجھتے تھے ۔ خاص قومی مقصد و نصب العین تو پہلے سے ان کے سامنے تھے لیکن جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے رفتہ رفتہ ہی ان کے قلب صافی پر منشرح ہوا ۔ انشراح کامل کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا کہ اردو زبان ان کے پیغام کے لیے ضرورت کے مطابق سازگار نہیں ہو سکے گی لہٰذا انہیں فارسی اختیار کرنی پڑی جو دقیق و بلند افکار کے اظہار کے لیے اردو سے زیادہ ثروت مند تھی ۔ نیز کئی اکابر اس زبان سے حکمت ، فلسفے ، تصوف ، اخلاق ، سیاسیات اور رزم و پیکار کے دائروں میں کام لے چکے تھے ۔ اقبال خود فرماتے ہیں :

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است — طرز گفتار دری شیریں تر است
فکر من از جلوہ اش مسحور گشت — خامہ من شاخ نخل طور گشت
پارسی از رفعت اندیشہ ام — در خورد با فطرت اندیشہ ام

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved

علاوہ بریں فارسی نے کم از کم اسلامی ممالک میں فی الجملہ بین الملی زبان کی حیثیت اختیار کرلی تھی ۔ نیز فضلائے مغرب کا بھی خاصا بڑا طبقہ اس سے شناسا تھا یا یہ کہہ لیجئے کہ بالکل نا آشنا نہ تھا ۔ گویا فارسی کے ذریعے سے اقبال کا پیغام براہ راست وسیع تر طبقوں تک پہنچایا جا سکتا تھا ۔[۲۸]

علامہ شاعری کو عبادت سمجھتے تھے نہ کہ وجہ شہرت ۔ وہ اس کا تذکرہ اپنے عزیز دوست مولانا غلام قادر گرامی کے نام ایک خط میں یوں کرتے ہیں :

"دوسرے حصے میں جو اب شائع ہوگا ، حیات ملی یعنی اجتماعی زندگی کے اصول پر بحث ہے اور خالص اسلامی نکتہ خیال سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ احساس ملیہ پیدا ہو جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا ۔ اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض عبادت ہے نہ شہرت ۔ کیا عجب کہ نبی کریمؐ کو میری یہ کوشش پسند آ جائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہو جائے ۔[۲۹]

جہاں علامہ اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا جذبہ پیدا ہو جائے وہیں انہیں اس بات پر بے حد تشویش تھی کہ ان کے ذہن و عمل کے سانچے غیر اسلامی بنیادوں پر استوار ہیں اور اس وجہ سے ان میں اسلام کی حقیقی روح تک پہنچنے کی راہ میں دشوارہوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جگہ جگہ عجمی تصورات اور مقامی زناری اثرات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ۔ عجمی تصوف نے مسلمانوں کو بے عملی کی طرف راغب کیا تو برہمنی اثرات نے ان میں مشرکانہ رسوم و رواج کے بندھن جوں کے توں رہنے دیئے ۔ علامہ اس صورت حال کا شدید احساس رکھتے تھے اور ان کے خیال میں معاشرے میں اسلامی اقدار کی راہ میں فرنگی غلامی کے علاوہ یہ بڑی رکاوٹیں تھیں جنہیں عبور کیے بغیر اسلامی نظام کی راہ استوار نہیں کی جا سکتی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضور اکرمؐ کی خدمت یہ استدعا کی ۔

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

جلیل قدوائی صاحب کی ایک تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علامہ کا رویہ ان لوگوں کے بارے میں کیا تھا جو انہیں محض ایک غزل گو کی حیثیت دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ کچھ دیر تفریح طبع کا سامان رہے اور بس ۔ علامہ نے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے سلسلے میں مدراس میں جو خطبات دئیے تھے وہی دوبارہ علی گڑھ میں بھی دئیے ۔ یہ خطبات فلسفیانہ مضامین لیے ہوئے تھے اور ان میں اسلام کے فکری احیاء پر بہت کچھ مواد موجود تھا ۔ قدوائی صاحب لکھتے ہیں ۔

"علی گڑھ میں جب وہ خطبات مدراس کے سلسلے کی تقریر فرما چکے تو ایک نشست میں یونین ہال میں جہاں ان کی تقریر ہوئی تھی طلباء نے ان سے اپنے کلام سنانے کی فرمائش کی تھی ۔ کہاں تو آپ نہایت با وقار اور سنجیدہ بلکہ فلسفیانہ انداز سے اپنے موضوع پر اظہار خیال فرما رہے تھے ۔ مگر شعر سنانے کی فرمائش سنتے ہی آپ کے مزاج کا اعتدال جاتا رہا اور آپ نے نہایت تلخ اور تیز بلکہ غصہ کے لہجہ میں نوجوانوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور فرمایا کہ جس قسم کی شاعری موصوف نے کی وہ محفل گرم کرنے اور مشاعرہ بازی کے لیے نہیں بلکہ اصلاح احوال قوم کی خاطر تھی اور چونکہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا اس لیے آپ نے شعر کہنا بند کر دیا ۔ آپ نے نوجوانوں کو تاکید کی کہ شعر خوانی کی لغویت سے دور رہیں ۔

آپ نے فرمایا تھا کہ آپ نے شعر کہنا بند کر دیا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے متفرق اشعار یا نظمیں کہنا بند کر دی تھیں کیونکہ اس کے بعد آپ کا کلام مجموعوں کی شکل میں یکے بعد دیگرے بازار میں آیا ۔ متفرق کلام آپ نے نہ سنایا نہ رسالوں میں شایع کرایا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل کہتے رہتے تھے اور اسے کتابی صورت میں شائع کرانے تھے ۔ جستہ جستہ کہہ کر اور سنا کر اس کا اثر اور وقار ضائع نہ کرتے تھے"۔ ۳۰

یوں بھی شاعری کے متعلق اقبال کے جو نظریات تھے وہ ڈھکے چھپے نہیں ۔ علامہ نے بارہا وضاحت سے کہا کہ مجھے شاعر نہ کہا جائے ۔ حتیٰ کہ شکایت کے انداز میں بھی کہا کہ :

مرا یاراں غزل خوانے شمردند

سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں "کلام کا بہت سا حصہ نظر ثانی کا محتاج ہے ۔ لیکن اور مشاغل اتنی فرصت نہیں چھوڑتے کہ ادھر توجہ کر سکوں ، تاہم جو کچھ ممکن ہے کرتا ہوں ، شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمع نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں ۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس ۔ اس بات کو مدِ نظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں ۔ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں ۔ اس واسطے کہ آرٹ (فن) غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے اور یہ بات موجودہ حالات میں میرے لیے ممکن نہیں ۔ جرمنی کے دو بڑے شاعر بیرسٹر تھے یعنی گوئٹے اور اوہلنڈ ۔ گوئٹے تھوڑے دن پریکٹس کے بعد ویمر کی ریاست کا تعلیمی مشیر بن گیا اور اس طرح فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کا اسے پورا موقع مل گیا ۔ اوہلنڈ تمام عمر مقدمات پر بحث کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت تھوڑی نظمیں لکھ سکا اور وہ کمال پورے طور پر نشو و نما نہ پا سکا جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا ۔ غرض یہ کہ موجودہ حالات میں میرے افکار اس قابل نہیں کہ ان کی تنقید کے لیے سید سلیمان کا دل و دماغ صرف ہو لیکن اگر احباب تبصرہ پر مصر ہیں تو یہی بہتر ہے کہ مجموعہ کا انتظار کیا جائے ۔ اس کے علاوہ میں اپنے دل و دماغ کی سرگذشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں اور یہ سرگذشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لیے نہایت ضروری ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ہیں اس تحریر سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہوگا ۔[۳۱]

افسوس کی بات یہ ہے کہ علامہ کو اپنے دل و دماغ کی سرگذشت لکھنے کا موقع نہ مل سکا ورنہ ان کے کلام کے بارے میں بہت سے اعتراضات جو عام طور پر وارد کیے جاتے ہیں ، دور ہو جاتے اور معترضین کو طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلانے کا موقع کم رہ جاتا ۔

اقبال ادبیات اسلامیہ کی اصلاح کو ملت اسلامیہ کی اصلاح اور قوت کا سرچشمہ سمجھتے تھے ۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قوموں کی زندگی میں حرارت اور قوت پیدا کرنے کے لیے بلند خیالات کی سخت ضرورت ہے ۔ وہ مایوسی اور افسردگی پیدا کرنے والے آرٹ اور شاعری کے قائل نہ تھے ۔

بلبل کی نوا ہو گہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا

اکبر منیر صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ''خیالات کے لیے طبیعت پر زور دینا چاہئیے۔ مطالب جلیلہ کی مشرق نظم کو بہت ضرورت ہے۔ حکیم سنائیؒ اور مولانا رومؒ کو زیر نظر رکھنا چاہیے۔ اس قسم کے لوگ اقوام و ملل کی زندگی کا اصلی راز ہیں۔ اگر یہی لوگ غلط راستے پر پڑ جائیں تو اقوام کی حیات بھی انہی کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ مولانا رومؒ کے تو اسرار و حقائق زندہ جاوید ہیں۔ حکیم سنائیؒ سے طرز سیکھنا چاہئیے کیونکہ مطالب عالیہ کے ادا کرنے میں ان سے بڑھ کر کسی نے قدم نہیں رکھا۔

ایرانی اخبارات میں اس قسم کی نظمیں شائع کیا کیجیے۔ مغربی اور وسط ایشیا کی مسلمان قومیں اگر متحد ہو گئیں تو بچ جائیں گی اور اگر ان کے اختلافات کا تصفیہ نہ ہو سکا تو اللہ حافظ ہے۔ مضامین اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ میرا مذہبی عقیدہ یہی ہے کہ اتحاد ہوگا اور دنیا پھر ایک دفعہ جلال اسلامی کا نظارہ دیکھے گی۔ ہندوستان میں بظاہر۔۔۔۔ امن و سکون ہے مگر قلوب کا ہیجان حیرت انگیز ہے اتنے عرصے میں اتنا انقلاب تاریخ امم میں بے نظیر ہے۔ ہم لوگ جو انقلاب سے خود متاثر ہونے والے ہیں اس کی عظمت اور اہمیت کو اس قدر محسوس نہیں کرتے۔ آئندہ نسلیں اس کی تاریخ پڑھ کر حیرت میں ڈوب جائیں گی۔ ایشیا کی مسلمان اقوام کی حرکت بھی کم حیرت انگیز نہیں۔ کیا عجب کہ اس نئی بیداری کو ایک نظر دیکھنے کے لیے میں بھی جولائی یا اگست کے مہینے میں ایران جا نکلوں۔۳۲

مکتوب الیہ مختلف اسلامی ممالک کا سفر کر رہے تھے۔ اقبال کی خود دیرینہ آرزو تھی کہ وہ بلاد اسلامیہ کا سفر کریں جو اگرچہ پوری نہ ہوئی تھی لیکن ان کا بس چلتا تو وہ اُڑ کر جا پہنچتے۔ اس حالت میں بھی کہ انہیں درد نقرس (گوٹ) کی وجہ سے سخت تکلیف رہی تھی اور دو ماہ تک چارپائی سے نہ اتر سکے تھے ایران جانے کے متمنی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ان کی فطرت کو ایران سے ایک مناسبت خاص ہے ممکن ہے کہ وہاں کی آب و ہوا کا ان پر اچھا اثر ہو۔ اکبر منیر صاحب کے سفر کے حالات پڑھ کر بے حد خوش ہوئے اور انہیں لکھا:

''خط آپ کا ابھی ملا ہے ۔ جسے پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ۔ آپ کو اسلامی ممالک کے سفر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور ہوگا ۔ اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں نہایت دلچسپ ہیں اور بالخصوص مسلمانے عجمی یتیم نے تو مجھے رلا دیا ۔ اللہم زد فزد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دنیا کے دل میں انقلاب ہے اس واسطے قلوب انسانی اس سے متاثر ہو رہے ہیں ۔ اسلام کی عظمت کا زمانہ انشاء اللہ قریب آ رہا ہے ۔۳۳

علامہ کے ان خیالات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک فن ایک معروضی اور زندگی کی حرارت سے محروم چیز نہ تھی وہ اسے آہ نیم شبی اور دلوں کے گداز کی تخلیق سمجھتے تھے ۔ علامہ کی راتیں ملتِ اسلامیہ کے لیے سوز و گداز میں گزرتی رہیں اور یہی بات ان کی شاعری کا عنوان تھی ۔ علامہ دوسروں سے بھی اسی بات کی توقع رکھتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانے عجمی یتیم نے انہیں رلا دیا ۔ یہی چیز اگر اب ہمارے شعر و سخن کی محفلوں کا عنوان بن جائے تو علامہ کی روح کو تسکین ہوگی کہ انہوں نے شور زمین میں بیج نہیں ڈالا ۔

حواشی

۱۔ کلیات ، ۵۳۸ ۔
۲۔ ضرب کلیم ، ۱۳۳ ۔
۳۔ کلیات ، ۳۳۳ ۔
۴۔ ضرب کلیم ، ۱۲۷ ۔
۵۔ مکاتیبِ اقبال ، بنام مولوی صالح محمد ، ۳۰ مئی ۱۹۳۰ ، ص ۳۷۰ ۔ ۳۷۲ ۔
۶۔ سیرِ افغانستان ، ص ۸۱ ۔ ۸۳ ۔
۷۔ دیباچہ مرقع چغتائی ، احسن برادرز لاہور ، تاریخ ندارد ۔
۸۔ عبدالرحمان چغتائی ، مرقع چغتائی ، احسن برادر لاہور ، تاریخ ندارد ۔
۹۔ بالِ جبریل ، ۱۱۹ ۔
۱۰۔ ضربِ کلیم ، ۱۱۷ ۔

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. 2002-2006

۱۱- ضربِ کلیم ، ۱۲۳ -
۱۲- بالِ جبریل ، ۲۱۰ -
۱۳- ضربِ کلیم ، ۱۱۲ اور ۱۱۸ -
۱۴- ملفوظات محمود نظامی ، ص ۱۲۱ - ۱۲۵ -
۱۵- ملفوظات ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ -
۱۶- ملفوظات ، ۱۴۴ ، ۱۴۵ -
۱۷- ضربِ کلیم - ۱۲۴ ، ۱۲۵ اور ۱۳۲ -
۱۸- بالِ جبریل ، ۵۹ -
۱۹- ضربِ کلیم ، ۴۵ -
۲۰- ضربِ کلیم ، ۱۳۲ -
۲۱- گفتار ، ص ۲۶۴ ، ۲۶۵ -
۲۲- ہاشمی ، ص ۱۰۲ ، ۱۰۳ -
۲۳- سیاحت اقبال - حق نواز ، ص ۱۴۶ ، ۱۴۷ -
۲۴- بالِ جبریل ، ۱۲۹ -
۲۵- ذکرِ اقبال ، عبدالمجید سالک ، بزم اقبال لاہور ، ۱۸۱ ، ۱۸۲ -
۲۶- ہاشمی ، ص ۱۳۲ ۱۳۳ -
۲۷- اقبال بنام شیخ اعجاز احمد اقبال ریویو ، جنوری ۶۱ -
۲۸- مکاتیبِ گرامی ، غلام رسول مہر دیباچہ ، ۴ ، ۵ -
۲۹- بنام گرامی ، ۳۰ ستمبر ۱۷ گرامی ۱۳۶ -
۳۰- اوراق ۲۸۰ -
۳۱- سید سلیمان ندوی ، ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء ، اقبال نامہ ، ص اول ۱۰۸ ، ۱۰۹ -
۳۲- بنام پروفیسر محمد اکبر منیر ، اقبال نامہ ، حصہ دوئم ، ۱۶۲ ، ۱۶۳ -
۳۳- بنام پروفیسر محمد اکبر منیر ، ۲ فروری ۱۹۲۴ء ، اقبال نامہ دوئم ، ص ۱۶۵ ، ۱۶۶ -